اسلام میں جیل کا تصوّر

مولانا سعید الرحمان علوی

جیل کا مقصد مجرموں کو شریف شہری بنانا ہے نہ کہ عادی مجرم!

قرآن عزیز کی پہلی سورۃ "الفاتحہ" ہے اس کی آیت نمبر ۳ ہے۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

جو اس دن کا مالک ہے جس دن کاموں کا بدلا لوگوں کے حصے میں آئے گا۔

درحقیقت سورۃ کی پہلی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی زبان سے یوں کہلوایا کہ

ہر طرح کی ستائش اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام کائنات خلقت کا پروردگار ہے۔

گویا اس حقیقت کا اعتراف کرنا ہے کہ حمد و ستائش کی اصل مستحق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ رب العزت ہے جو

الف : رب العٰلمین ہے

ب : الرحمٰن ہے (جو رحمت والا ہے)

ج : الرحیم ہے (اور جس کی رحمت تمام مخلوقات کو اپنی بخششوں سے مالامال کر رہی ہے)

د : مالک یوم الدین ہے

سوال یہ ہے کہ ملك يوم الدين کے جملہ میں لفظ "الدین" سے کیا مراد ہے؟

صاحب ترجمان القرآن فرماتے ہیں کہ

ربوبیت" اور "رحمت" کے بعد جس صفت کا ذکر کیا گیا ہے وہ "عدالت" ہے اور اس کے لیے "ملک یوم الدین" کی تعبیر اختیار کی گئی۔

سامی زبانوں کا ایک قدیم مادہ "دان" اور "دین" ہے جو بدلے اور مکافات کے معنوں میں بولا جاتا تھا اور پھر آئین وقانون کے معنوں میں بھی بولا جانے لگا۔

چنانچہ عبرانی اور آرامی میں اس کے متعدد مشتقات ملتے ہیں۔

آرامی زبان ہی سے غالباً یہ لفظ قدیم ایران میں بھی پہنچا اور پہلوی میں دینیہ نے شریعت وقانون کا مفہوم پیدا کر لیا۔ خورداوستا میں ایک سے زیادہ موقع پر یہ لفظ مستعمل ہوا ہے اور زردشتیوں کی قدیم ادبیات میں انشاء وکتابت کے آئین وقواعد کو بھی "دین ور بیرہ" کے نام سے موسوم کیا ہے۔

علاوہ بریں زردشتیوں کی ایک مذہبی کتاب کا نام "دین کارت" ہے جو غالباً نویں صدی مسیحی میں عراق کے ایک موبد نے مرتب کی تھی۔

بہرحال عربی میں "الدین" کے معنی بدلے اور مکافات کے ہیں، خواہ اچھائی کا ہو یا برائی کا۔

(چنانچہ عربی کا ایک شعر ہے)

سنعلم لیلی ای دین تدانیت　　　وایّ غریم فی التقاضی غریمها

پس "ملک یوم الدین" کے معنی ہوئے "وہ جو جزا کے دن کا حکمران ہے یعنی روز قیامت کا۔"[۵]

الشیخ ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی فرماتے ہیں

الدین الجزاء علی الاعمال والحساب بها الخ[۶]

یعنی الدین کا معنی ہے۔ اعمال کی جزا اور ان کا حساب ——— حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عبداللہ بن مسعود ابن جریج اور قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورحمہم اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کہا ہے اور اسی طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم سے روایت

کی گئی ـــــ جب کہ اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل ارشاد بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں

يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ یعنی حسابھم[۳]

أَئِنَّا لَمَدِينُونَ یعنی مجزیون محاسبون[۴]

بسید کا شعر ہے:

اذا ما رمونا رمیناھم ودِنّاھم مثل ما یُقرضونا

اہل لغت نے بفتح دال اور بکسر دال دونوں طرح لکھا ہے، پہلی شکل میں دین بمعنی قرض ہوگا۔ دوسری شکل میں جزا اور بدلہ معنی ہوگا ...... الدیّان اللہ تعالیٰ کا اسم صفت ہے جس کا معنی ہے "جزا دینے والا" اور حدیث میں "الکیّس مَنْ دَانَ نَفْسَہٗ" آیا ہے یہاں بھی وہی شخص مراد ہے جو اپنے آپ کا محاسبہ کرنے والا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بمعنی "القضا" بھی منقول ہے اور الدین بمعنی الطاعۃ بھی آیا ہے۔

بہر حال "یا الدین" گو مشترک لفظ ہے جس کے کئی معنی ہیں لیکن معروف اور کثیر الاستعمال معنی "الجزاء" ہی ہے۔ "المنجد الابجدی" میں ہے

الدین: اسم لجمیع ما یعبد بہ اللہ/الملّۃ والمذھب/الورع/السیرۃ/الشّان/الحال المعصیۃ/الطاعۃ/العادۃ/الجزاء والمکافاۃ/الملک والسلطان والحکم/القضاء/الاکراہ القھر/الغلبۃ/الصاب[۵] الشیخ عبدالحفیظ بلیاوی کہتے ہیں

الدین: حساب اسی سے یوم الدین ـــــ ملکیت، قدرت، حکم، مذہب، ملت، حالت عادت، سیرت، تدبیر، نافرمانی، گناہ، مجبوری، پرہیزگاری، فرمانبرداری، بدلہ، قہر، غلبہ، ذلت[۶]

محمود محمد حمزہ، حسن علوان، محمد احمد برانق اپنی مشترکہ تفسیری کاوش میں کہتے ہیں:

ملک یوم الدین ـــــ المنفرد وحدہ بالتصرف فی شئون الخلق یوم القیامۃ لیجازی کل انسان علی عملہ ـــــ والدین، الجزاء والحساب ......[۸]

علامہ زمخشری کہتے ہیں:

یوم الدین ـــــ یوم الجزاء ومنہ قولہم تدین تدان وبیت الحماسۃ
ولم یبق سوی العدوان دناہم کما دانوا[۹]

القاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی کہتے ہیں:

یوم الدین ـــــ یوم القیامۃ ـــــ والدین الجزاء
قاضی صاحب نے ایک حدیث نقل کی ہے جس کو ابن عدی نے کامل میں مرفوع طریق سے نقل کیا۔ گو اس کی سند ضعیف ہے لیکن بیہقی کی مرسل روایت اس کی تائید میں نقل کی اور ساتھ ہی امام احمد در مالک بن دینار کی روایت تائید کے طور پر موجود ہے جس میں فرمایا گیا کہ تورات میں بھی ایسا ہی ہے کہ یوم الدین یوم الجزاء ہے اور دیلمی میں فضالۃ بن عبید سے مرفوع روایت ہے کہ انجیل میں بھی ایسا ہی ہے جب کہ مجاہد سے بھی منقول ہے کہ اس سے مراد یوم الحساب ہے۔ الخ[۱۰]

السید رشید رضا مصری فرماتے ہیں:

الدین یطلق فی اللغۃ علی الحساب والمکافات....... وعلی الجزاء وھو
قریب من معنی المکافات وعلی الطاعۃ وعلی الاخضاع وعلی السیاسۃ......
والمناسب ھنا من ھذہ المعانی الجزاء والخضوع[۱۱]

مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں:

ملک یوم الدین ـــــ دین کا لفظ قرآن مجید میں کئی معنوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔

مذہب و شریعت کے معنی کے لیے جیسا کہ آل عمران کی آیت ۸۳ ہے
افغیر دین اللہ یبغون
قانون ملکی کے لیے جیسا کہ یوسف کی آیت ۷۶
ما کان لیاخذ اخاہ فی دین الملک
اطاعت کے معنی میں ولہ الدین واصباً (النحل آیت ۵۲)
جزا کے معنی میں وان الدین لواقع (ذاریات: ۶)[۱۲]

تفسیر بیان القرآن میں ہے۔

دین کے اصل معنی جزا کے ہیں بخاری میں ہے

الدین الجزاء فی الخیر والشر [۱۲]

علامہ ابن کثیر کا کہنا ہے

الدین الجزاء والحساب [۱۳]

مولانا عبدالرشید نعمانی نے لکھا ہے۔

دین ــــــ جزا ، اطاعت ، شریعت ، بدلہ لینا ، اطاعت کرنا ، حکم ماننا ـــــــ

قرآن عزیز میں لگ بھگ اسی مرتبہ یہ لفظ ان معانی میں استعمال ہوا ہے [۱۴]

اس تفصیل کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے سامنے اسلام کی اساسی کتاب "القرآن" کے حوالہ سے جزا و سزا اور حساب و مکافات کا صحیح نقشہ آجائے اور معلوم ہو جائے کہ باقی معاملات کی طرح یہاں بھی اصل حیثیت و اختیار حضرت حق جل و علی مجدہ کی ہے۔ جو انسانی اعمال پہ نتائج مرتب فرمانے والے ہیں۔ کیونکہ انسان کو جو کچھ پیش آتا ہے ــــــ اچھا یا برا وہ فی الحقیقت اس کے اعمال کا صلہ ہوتا ہے ــــــ نتائج اعمال مکمل صورت میں قیامت کے دن سامنے آئیں گے جو جزا و حساب کا دن ہے۔ تاہم اس دنیا میں بھی مختلف حوالے سے کچھ نتائج سامنے آتے ہیں، انہی میں ایک جیل ہے جس سے مختلف انسانوں کو دوچار ہونا پڑتا ہے ــــــ بعض لوگ عظیم تر مقاصد کے لیے اس ابتلاء کے مرحلہ سے گزرتے ہیں اور بعض لوگ اپنے اعمال بد کے حوالہ سے اس منزل پر پہنچتے ہیں۔

اس سے قبل کہ ہم جیل کے ضمن میں کچھ گزارشات پیش کریں، یہ کہنے کی جسارت کریں گے، کہ اسلام کے اساسی عقائد میں ایک چیز "معاد" ہے جس کو قرآن عزیز نے "ایمان بالآخرۃ" کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے اور بار بار اس کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً الفاتحہ سے متصل ہی قرآن عزیز کی طویل ترین سورۃ البقرہ ہے، اس کی ابتدا میں اہل ایمان کے خصائص کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا :

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ — کہ وہ لوگ ایسے ہیں، کہ آخرت (کی زندگی) کے لیے بھی ان کے اندر یقین ہے [۱۵]

اس سے چند آیات بعد ہی منافقین کا ذکر ہے تو اس میں ارشاد ہے کہ

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مومن نہیں [۱]

اسی البقرہ میں جملہ بنی نوع انسان کی ہدایت و نجات کا اصول بیان کرتے ہوئے جن بنیادی باتوں کا ذکر ہوا اس میں بھی "آخرت" کی بات بڑے اہم طریق سے ارشاد ہوئی ـــــ ملاحظہ فرمائیں

"جو لوگ (پیغمبر اسلام پر) ایمان لا چکے ہیں وہ ہوں، یا وہ لوگ ہوں جو یہودی ہیں، یا نصاریٰ اور صابی ہوں (کوئی ہو اور کسی گروہ بندی میں سے ہو) لیکن جو کوئی بھی خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس کے اعمال بھی اچھے ہوئے تو وہ اپنے ایمان و عمل کا اجر اپنے پروردگار سے ضرور پائے گا۔ اس کے لیے نہ تو کسی طرح کا کھٹکا ہوگا نہ کسی طرح کی غمگینی [۲]

گویا "آخرت کا دن" اور اس پر یقین و ایقان بڑا ضروری ہے اور یہی چیز ہے جس کو ہم نے "معاد" کے عنوان سے ذکر کیا۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان نے جو کچھ کیا وہ پورے کا پورا اس کے سامنے آئے گا اور اس کے اچھا یا بُرا ہونے کے حوالے سے وہ جزا پائے گا۔

قرآن عزیز میں ہے:

سو جس نے کی ذرّہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اسے اور جس نے کی ذرّہ بھر بُرائی وہ دیکھ لے گا اسے [۳]

مزید ارشاد ہے:

اور رکھا جائے گا حساب کا کاغذ پھر تو دیکھے گا گنہگاروں کو ڈرتے ہیں اس سے جو اس میں لکھا ہے اور کہتے ہیں ہائے خرابی، کیسا ہے یہ کاغذ نہیں چھوٹی اس سے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات جو اس میں نہیں آگئی اور پائیں گے جو کچھ کیا ہے سامنے اور تیرا رب ظلم نہ کرے گا کسی پر [۴]

یعنی انسان کا کیا دھرا ٹھیک ٹھیک اس کے سامنے آئے گا اور کوئی چیز مخفی نہیں رہے گی ـــــ اسی کے مطابق انسان کے ساتھ سلوک ہوگا ـــــ اچھا یا بُرا۔

اس دن اور اس کیفیت کو اس عنوان سے یاد کیا گیا ہے یہ ایک مستقل بحث ہے جس پر تفصیل سے روشنی یہاں ڈالنا ممکن نہیں محض اشارۃً کچھ عرض کیا جائے گا اور پھر یہ عرض ہوگا کہ جو بات کل (قیامت) میں ہونے والی ہے اس کا پرتو اور عکس سزا کی شکل میں یہاں کیوں سامنے آتا ہے؟

حضرت الامام الشیخ شاہ ولی اللہ الدھلوی قدس سرہ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں مسئلہ معاد اور اس کے اسرار و حکم پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے کتاب کی جلد اول کے ابواب ۸۔۱۳ اور پھر اس جلد کی بحث نمبر ۲، انہی مسائل سے متعلق ہے۔ خاص طور پر بحث نمبر ۲ کا پہلا باب قابل توجہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ چونکہ انسان کو مکلف بنایا گیا ہے اس لیے اعمال نیک و بد کی جزا سزا اس کا طبعی نتیجہ ہے۔ پھر انہوں نے جزا و سزا کی چار مختلف صورتیں بیان فرمائی ہیں، اس میں سے پہلی اور دوسری قسم تو شاہ صاحب کے مخصوص افکار کے سمجھنے پر موقوف ہے، جس کا یہ مقالہ متحمل نہیں البتہ تیسری اور چوتھی قسم کا خلاصہ یہ ہے کہ تیسری قسم تو یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی اطاعت و عدم اطاعت پر نتائج مرتب ہوتے ہیں اور چوتھی قسم کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء کے متبعین اجتماعی طور پر اس کی مدد کے مستحق قرار پاتے ہیں اور مجرم و دشمن خائب و خاسر ہو کر رہ جاتے ہیں ——— گویا تیسری قسم انفرادی جزا و سزا سے متعلق ہوئی اور چوتھی اجتماعی جزا سزا سے![۲۱]

پھر شاہ صاحب نے دوسری بحث میں دنیوی جزا و سزا پر تفصیل سے بحث کی اور قرآنی آیات کے حوالہ سے اس کو ثابت کیا[۲۲] اور ساتھ ہی عقلی طور پر اس پر بحث کی اور ثابت کیا کہ اگر شر پسند لوگوں کو لگام نہ ڈالی جائے تو اس دنیا کا امن تباہ ہو کر رہ جائے گا اور کوئی شخص اطمینان کی زندگی نہ گزار سکے گا۔ چنانچہ قانون مجازات کے تحت اللہ تعالیٰ لوگوں سے کسی نہ کسی درجہ میں یہاں بھی معاملہ کرتے ہیں تاکہ دنیا فساد و بے اطمینانی سے بچ جائے۔[۲۳]

مولانا ابو الکلام آزاد نے اس مقام پر جو نوٹ لکھا وہ طویل ہونے کے باوجود بڑا دلچسپ ہے اور اس سلسلہ کی بہت سی گتھیاں اس سے سلجھ جاتی ہیں ——— اس لیے اس کا نقل کرنا نامناسب نہ ہوگا۔

"دین" کے لفظ نے جزا کی حقیقت واضح کر دی ——— اولاً قرآن نے نہ صرف اس موقع پر بلکہ عام طور پر جزا کے لیے "الدین" کا لفظ اختیار کیا ہے اور اسی لیے وہ قیامت کو

بھی عموماً "یوم الدین" سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ تعبیر اس لیے اختیار کی گئی کہ جزا کے بارے میں جو اعتقاد پیدا کرنا چاہتا تھا، اس کے لیے یہی تعبیر سب سے زیادہ موزوں اور واقعی تعبیر تھی وہ جزا کو اعمال کا قدرتی نتیجہ اور مکافات قرار دیتا ہے۔

نزول قرآن کے وقت پیروان مذاہب کا عالم گیر اعتقاد یہ تھا کہ جزا محض خوشنودی اور اس کے قہر و غضب کا نتیجہ ہے، اعمال کے نتائج کو اس میں دخل نہیں۔ الوہیت اور شاہیت کا تشابہ تمام مذہبی تصورات کی طرح اس معاملے میں بھی گمراہی فکر کا موجب ہوا تھا۔ لوگ دیکھتے تھے کہ ایک مطلق العنان بادشاہ کبھی خوش ہو کر انعام واکرام دینے لگتا ہے۔ کبھی بگڑ کر سزائیں دینے لگتا ہے، اس لیے خیال کرتے تھے کہ خدا کا بھی ایسا ہی حال ہے وہ کبھی ہم سے خوش ہو جاتا ہے کبھی غیظ و غضب میں آجاتا ہے۔ طرح طرح کی قربانیوں اور چڑھاووں کی رسم اسی اعتقاد سے پڑی تھی۔ لوگ دیوتاؤں کا جوش غضب ٹھنڈا کرنے کے لیے قربانیاں کرتے اور ان کی نظر التفات حاصل کرنے کے لیے نذریں چڑھاتے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کا عام تصور دیوتائی تصورات سے بلند ہو گیا تھا، لیکن جہاں تک اس معاملے کا تعلق ہے ان کے تصور نے بھی کوئی وقیع ترقی نہیں کی تھی۔ یہودی بہت سے دیوتاؤں کی جگہ خاندان اسرائیل کا ایک خدا مانتے تھے لیکن پرانے دیوتاؤں کی طرح یہ خدا بھی شاہی اور مطلق العنانی کا خدا تھا وہ کبھی خوش ہو کر انہیں اپنی چہیتی قوم بنا لیتا، کبھی جوش انتقام میں آ کر بربادی و ہلاکت کے حوالے کر دیتا ہے۔ عیسائیوں کا اعتقاد تھا کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے اس کی پوری نسل مغضوب ہو گئی اور جب تک خدا نے اپنی صفت ابنیت کو بشکل مسیح (علیہ السلام) قربان نہیں کر دیا اس کے نسلی گناہ اور مغضوبیت کا کفارہ نہ ہو سکا مجازات عمل کا معاملہ بھی دنیا کے عالم گیر قانون فطرت کا ایک گوشہ ہے۔........ اسی لیے قرآن نے جزا و سزا کا اعتقاد ایک دوسری ہی شکل و نوعیت کا پیش کیا ہے، وہ اسے خدا کا کوئی ایسا فعل نہیں قرار دیتا جو کائنات ہستی کے عام قوانین و نظام سے الگ ہو، بلکہ اسی کا ایک قدرتی گوشہ قرار دیتا ہے، وہ کہتا ہے۔ کائنات ہستی کا عالمگیر قانون یہ ہے کہ ہر حالت کوئی نہ کوئی اثر رکھتی ہے اور ہر چیز کا کوئی نہ کوئی خاصہ ہے ممکن نہیں یہاں کوئی شے اپنا وجود

ہو اور اثرات و نتائج کے سلسلے سے باہر ہو۔ پس جس طرح خدا نے اجسام و مواد میں خواص و نتائج رکھے ہیں، اسی طرح اعمال میں بھی خواص و نتائج ہیں اور جس طرح جسم انسانی کے قدرتی انفعالات ہیں، جسمانی مؤثرات جسم پر مرتب ہوتے ہیں، معنوی مؤثرات سے روح متاثر ہوتی ہے، اعمال کے یہی قدرتی خواص و نتائج ہیں جنہیں جزا و سزا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اچھے عمل کا نتیجہ اچھائی ہے۔ اور یہ ثواب ہے۔ بُرے عمل کا نتیجہ بُرائی ہے اور یہ عذاب ہے۔ ثواب اور عذاب کے ان اثرات کی نوعیت کیا ہوگی؟ وحی الٰہی نے ہماری فہم و استعداد کے مطابق اس کا نقشہ کھینچا ہے، اس نقشہ میں ایک مرقع بہشت کا ہے، ایک دوزخ کا، بہشت کے نعائم ان کے لیے ہیں جن کے اعمال بہشتی ہوں گے، دوزخ کی عقوبتیں ان کے لیے ہیں جن کے اعمال دوزخی ہوں گے۔

لَا يَسْتَوِىٓ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ وَأَصْحَٰبُ ٱلْجَنَّةِ ۚ أَصْحَٰبُ ٱلْجَنَّةِ هُمُ ٱلْفَآئِزُونَ (۵۹ : ۲۰)

اصحاب جنت اور اصحاب دوزخ (اپنے اعمال و نتائج میں) یکساں نہیں ہو سکتے، کامیاب انسان وہی ہیں جو اصحاب جنت ہیں

جس طرح مادیت میں خواص و نتائج ہیں اسی طرح معنویات میں بھی ہیں۔ ..... چنانچہ وہ کہتا ہے تم دیکھتے ہو کہ فطرت ہر گوشۂ وجود میں اپنا قانون مکافات رکھتی ہے، ممکن نہیں کہ اس میں تغیر یا تساہل ہو، فطرت نے آگ میں خاصہ رکھا ہے کہ جلائے۔ اب سوزش و تپش فطرت کی وہ مکافات ہو گئی جو ہر اس انسان کے لیے ہے جو آگ کے شعلوں میں ہاتھ ڈال دے گا۔ ممکن نہیں کہ تم آگ میں کود و اور اس فعل کے مکافات سے بچ جاؤ، پانی کا خاصہ ٹھنڈک اور رطوبت ہے، یعنی ٹھنڈک اور رطوبت وہ مکافات ہے جو فطرت نے پانی میں ودیعت کر دی ہے۔ اب ممکن نہیں کہ تم دریا میں اترو اور اس مکافات سے بچ جاؤ۔ پھر جو فطرت کائنات ہستی کی ہر چیز اور ہر حالت میں مکافات رکھتی ہے کیونکر ممکن ہے کہ انسان کے ایمان کے لیے مکافات نہ رکھے؟ یہی مکافات جزا و سزا ہے آگ جلاتی ہے، پانی ٹھنڈک پیدا کرتا ہے۔ سنکھیا کھانے سے موت، دودھ سے طاقت آتی ہے، کونین سے بخار رک جاتا ہے۔ جب اشیاء کی ان تمام مکافات پر تمہیں تعجب نہیں ہوتا کیونکہ یہ تمہاری زندگی کی یقینیات ہیں تو پھر اعمال کے مکافات پر کیوں تعجب

ہوتا ہے؟ افسوس تم پر! تم اپنے فیصلوں میں کتنے ناہموار ہو .... حضرت حق فرماتے ہیں
جو لوگ برائیاں کرتے ہیں، کیا وہ سمجھتے ہیں ہم انہیں ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان رکھتے
ہیں اور جن کے اعمال اچھے ہیں؟ دونوں برابر ہو جائیں زندگی میں بھی اور موت میں بھی؟
(اگر ان لوگوں کی فہم و دانش کا یہی فیصلہ ہے تو) افسوس ان کے فیصلے پر!
اور اللہ نے آسمان و زمین کو (بے کار اور عبث نہیں بنایا ہے، بلکہ) حکمت و مصلحت کے
ساتھ بنایا ہے اور اس لیے بنایا ہے کہ ہر جان کو اس کی کمائی کے مطابق بدلہ ملے، اور یہ بدلا
ٹھیک ٹھیک ملے گا کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (۴۵: ۲۱-۲۲)

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جزا و سزا کے لیے "الدین" کا لفظ اختیار کیا کیونکہ مکافاتِ عمل کا مفہوم ادا کرنے کے لیے سب سے زیادہ موزوں لفظ یہی تھا۔[۲۴]

اس کے بعد مولانا نے اس طرف توجہ دلائی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری کلام میں اچھے برے کام کے لیے جا بجا "کسب" کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا اردو میں ٹھیک ٹھیک معنی "کمائی" کا ہے، جس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ انسان کے لیے جزا و سزا خود انسان ہی کی کمائی ہے۔ چنانچہ سورہ ۵۲ آیت ۲۱، سورہ ۲ آیت ۲۸۶، ۱۳۴ وغیرہ میں کسب و اکتساب کی بات بڑی وضاحت سے ارشاد فرمائی۔
اور یہ کہ دینِ الٰہی نیک عملی کی ترغیب دیتا ہے اور بد عملی سے روکتا ہے۔ تو محض اس لیے کہ انسان نقصان و ہلاکت سے بچے اور نجات و سعادت حاصل کرے یہ مقصد نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قہر و غضب اسے مبتلائے عذاب کرنا چاہتا ہے اور اس سے بچنے کے لیے مذہبی ریاضتوں پر زور دیتا ہے ـــــ مذہبی ریاضتیں مقصد نہیں نیک عملی مقصد ہے ـــــ یہ خدشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود بھی جا بجا خوشنودی اور نارضامندی کا ذکر کیا ہے تو اس کا سبب کیا ہے، تو واقعہ یہ ہے کہ انسانی سعادت کی معراج یہی ہے کہ وہ ہر کام اس کی خوشنودی کیلئے کرے۔ رہ گیا جزا و سزا کا معاملہ تو یہ اس کی علت نہیں بلکہ جزا و سزا کا قدرتی نتیجہ ہے۔[۲۵]

پھر اس پر بھی نظر رہے کہ مذہب اور قانون کے لیے بھی "الدین" کا لفظ استعمال ہوا ہے کیوں کہ مذہب کا بنیادی اعتقاد مکافاتِ عمل کا اعتقاد ہے اور قانون کی بنیاد بھی تعزیر و سیاست پر ہے۔[۲۶]
اور غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ کی ابتدا میں اپنی ربوبیت اور رحمت کے

بعد اپنی صفات قہر یہ وجلالیہ میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ "مالک یوم الدین" کہہ کر "عدالت" کا تصور ہمارے ذہن میں پیدا کیا جس سے واضح ہوتا ہے کہ اس کی صفات میں قہر وغضب کے لیے کوئی جگہ نہیں، البتہ عدالت ضرور ہے اور صفات قہریہ دراصل اسی عدالت کے مظاہر ہیں۔ انسانی فکر کی ٹھوکر اور گمراہی جو گل کھلاتی ہے، اس کا ازالہ اس سے ہوتا ہے کیونکہ فطرت کائنات ربوبیت اور رحمت کے ساتھ مجازات کا بھی تقاضا کرتی ہے کہ ایک طرف پرورش و بخشش ہے تو دوسری طرف مواخذہ اور مکافات بھی، فکر انسانی کا سوال یہ تھا کہ فطرت کی مجازات قہر وغضب کا نتیجہ ہے یا عدل وقسط کا؟

انسان کی نارسا فکر قہر وغضب کی بات کرتی ہے لیکن اللہ رب العزت اسے عدل وقسط کا عنوان دیتے ہیں انسان کی اسی نارسائی فکر نے صفات ربانی میں خوف ودہشت کا تصور پیدا کیا ہے حالانکہ خوف ودہشت کا سوال نہیں، سوال عدل کا ہے جو عین مقتضائے رحمت ہے ـــــ القصہ

اگر فطرت کائنات میں مکافات کا مؤاخذہ نہ ہوتا یا تعمیر کی تحسین وتکمیل کے لیے تخریب نہ ہوتی تو میزان عدل قائم نہ رہتا اور تمام نظام ہستی درہم برہم ہو جاتا (گویا) جس طرح کارخانہ خلقت اپنے وجود و بقا کے لیے ربوبیت اور رحمت کا محتاج ہے، اسی طرح عدالت کا بھی محتاج ہے۔ یہی تین معنوی عنصر ہیں جن سے خلقت وہستی کا تمام ظہور میں آیا ہے، ربوبیت پرورش کرتی ہے، رحمت افادہ وفیضان کا سرچشمہ ہے اور عدالت سے بناؤ اور خوبی ظہور میں آتی اور نقصان وفساد کا ازالہ ہوتا ہے[۲۷]

رب العزت کی صفت عدل کا پورا پورا ظہور تو "یوم الدین" کو ہوگا البتہ اس کا کسی نہ کسی درجہ میں ظہور اس دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ سورۂ حج کے مندرجہ ذیل مقام پر غور کریں۔

اللہ تعالیٰ دشمنوں کو ہٹا دے گا ایمان والوں سے، اللہ تعالیٰ کو خوش نہیں آتا (پسند نہیں) کوئی دغا باز ناشکرا، حکم ہوا ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اس واسطے کہ اُن پر ظلم ہوا، اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔

وہ لوگ جن کو نکالا ان کے گھروں سے اور دعویٰ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں، ہمارا رب اللہ ہے اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک کو دوسرے سے تو ڈھائے جاتے تکیے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ تعالیٰ بہت،

اور اللہ تعالیٰ یقیناً مدد کرے گا۔ اس کی جو مدد کرے گا اس کی (اس کے دین کی) بے شک اللہ تعالیٰ زبردست ہے زور والا ہے[۲۸]

اسی طرح اس مقام پر غور کریں:

اور حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ ایسا نہ کرتا کہ انسانوں کے ایک گروہ کے ذریعے دوسرے گروہ کو راہ سے ہٹاتا رہتا تو دنیا خراب ہو جاتی (اور امن و عدالت کا نام و نشان باقی نہ رہتا) لیکن اللہ دنیا کے لیے فضل و رحمت رکھنے والا ہے (اور یہ اس کا فضل ہے کہ کوئی ایک گروہ سدا ایک ہی حالت میں نہیں چھوڑ دیا جاتا، بلکہ ہمیشہ منازعت اور مدافعت جاری رہتی ہے)[۲۹]

یہ مقامات خود اس دنیا میں قیام عدل و امن کی غرض سے مکافات پر دلالت کرتے ہیں ـــــ اور ہاں اگر آپ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات پر غور کریں جن کا تعلق تخلیق آدم سے ہے اور یہ کہ انسان اس دھرتی پر اس ذات پاک کا خلیفہ و نائب ہے تو آپ خود محسوس کریں گے کہ خلیفہ پر لازم ہے کہ اصل مالک الملک کی ڈیوٹی کسی نہ کسی حوالہ سے ضرور انجام دے اور تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کے ارشاد پر عمل کرے ـــــ غور فرمائیں جنت سے سیدنا آدم علیہ السلام زمین پر بھیجے گئے تو ارشاد ہوا

جب کبھی ایسا ہوگا کہ ہماری جانب تم پر راہ (حق) کھولی جائے گی تو (تمہارے لیے دو ہی راہیں ہوں گی) جو کوئی ہدایت کی پیروی کرے گا اس کے لیے کسی طرح کی غمگینی نہیں اور جو کوئی انکار کرے گا اور ہماری نشانیاں جھٹلائے گا وہ دوزخی گروہ میں سے ہوگا۔ ہمیشہ عذاب میں رہنے والا ہے[۳۰]

اس سعادت و شقاوت کے پورے پورے نتائج کا وقت تو "یوم الدین" کو آئے گا لیکن دنیا میں دو طرح اس کا ظہور ہوتا ہے کیونکہ دنیا میں انسانی برادری دو قسموں میں تقسیم ہے ـــــ اہلِ سعادت اور اہلِ شقاوت

اہلِ سعادت پر جہاد لازم ہے تاکہ اہل شقاوت ان کے راہ میں روڑا نہ بن سکیں اور اہلِ سعادت خوش اسلوبی سے فرائض حیات ادا کرتے رہیں ـــــ ارشاد ہے۔

اور تیاری کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں

سے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور دوسروں پر اُن کے سوا جن کو تم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے[۴۱]

اور دوسرا طریق خود اہلِ سعادت کے لیے ہے کہ کبھی بدنصیبی سے ان میں سے کوئی خرابی کا شکار ہو جائے تو اس کی اصلاح کے لیے علاج ضروری ہے ـــــ بسا اوقات علاج بڑی شدت سے بشکل آپریشن ہوتا ہے کہ فاسد عضو باقی اعضا پر اثر انداز نہ ہو ـــــ حدود الٰہی ـــــ تعزیرات، حبس و قید اور جن و بیل سب اسی کے مظاہر ہیں۔

قرآن عزیز نے بدعملی کے لیے جو اصطلاحات ارشاد فرمائیں انہیں ظلم، طغیان، اسراف، تبذیر، افساد، اعتداء، عدوان وغیرہ شامل ہیں یعنی

ظلم نام ہے کسی چیز کا بے محل ہونا، طغیان نام ہے کسی چیز کا حد سے گزر جانا، اسراف نام ہے جو چیز جتنی مقدار میں جہاں خرچ کرنی چاہیئے اس سے زیادہ خرچ کر دی جائے اور تبذیر نام ہے کسی چیز کا ایسی جگہ خرچ کرنا جہاں خرچ نہیں کرنا چاہیے۔ افساد کا معنی ہے کسی چیز کا حالت اعتدال سے نکل جانا اور اعتداء و عدوان کا معنی ہے کسی چیز کا حد سے گزر جانا[۴۲]

ان کے علاوہ بھی بعض قرآنی الفاظ اس سلسلہ میں قابلِ توجہ ہیں۔

فسق (نافرمانی کرنی، حدودِ شریعت سے نکل جانا، گناہِ کبیرہ کرنا)[۴۳]

فجور (جھوٹ بولنا، کسی کو جھوٹا قرار دینا، نافرمانی کرنا، علی الاعلان گناہ کرنا، حق سے روگردانی وغیرہ)[۴۴]

جناح (گناہ ـــــ اصل میں ماخوذ ہے ایک طرف کو مائل ہو جانا ـــــ حق سے مائل ہو کر ایک طرف جھک جانے کے سبب، ہر گناہ پر اس کا استعمال ہونے لگا)[۴۵]

الاثمہ (گناہ۔ جمع آثام)[۴۶]

سوء (برائی، آفت، گناہ، برا کام، عیب ـــــ اس میں اچھی خاصی تفصیل ہے)[۴۷]

حوباً کبیراً (گناہ۔ وبال)[۴۸]

ذنب، ذنوب (گناہ ـــــ اصل میں ذنب کے معنی کسی چیز کے دم پکڑنے کے ہیں اور دم کے اعتبار سے ہر اس کا استعمال ہر اس فعل کے متعلق ہو جاتا ہے جس کا انجام برا ہو۔

اور اسی وجہ سے بُرے انجام کا نام ذنب ہے اور چونکہ گناہ کا انجام بُرا ہے اس لیے
اسے ذنب کہتے ہیں)[۱۳۹]

الحنث (گناہ۔ قسم توڑنا اس کی جمع احناث ہے)[۱۴۰]

الخطاء (چوک، گناہ کرنا، چوک جانا ــــــ اس میں خاصی تفصیل ہے۔)[۱۴۱]

شر (برائی۔ شر، جس سے سب کو نفرت ہو۔ خیر کے مقابل یہ لفظ آتا ہے)[۱۴۲]

المنکر (وہ فعل جس کو عقلِ سلیم بُرا جانتی ہو اور اگر حسن و قبح کو عقل سلیم نہ سمجھ سکے تو شریعت نے اس کو بُرا قرار دیا ہو)[۱۴۳]

فتنة (آزمائش کرنا، آفت، مصیبت، فساد، فساد انگیزی، خانہ جنگی، کفر، بدنظمی، تختۂ مشق عبرت، ایذا، دکھ، عذاب، عذر)[۱۴۴]

ضلالة (گمراہی، بھٹکنا، گمراہ ہونا)[۱۴۵] ــــــ ان کی تفصیلات دیکھیں

ایسے لوگوں کے لیے قرآن عزیز میں عذاب مہین، عذاب الیم، شدید العقاب، عذاب شدید، سریع الحساب، عذاب عظیم، اصحاب الجحیم، وغیرہ کی شکل میں عذاب و سزا کا ذکر آیا، جبکہ دنیوی طور پہ حدود، تعزیر کا ذکر ہے[۱۴۷]

دنیا میں جرائم کے قلع قمع اور اصلاح احوال کے لیے جہاں دوسرے ذرائع استعمال کیے گئے ہیں وہاں قید و جیل بھی ایک طریقہ ہے جو مدتوں سے دنیا میں معروف و مروج ہے ــــــ اس کے علاوہ حدود ہیں جو بعض متعین اور سنگین قسم کے گناہوں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں[۱۴۸] تعزیرات کا سلسلہ بھی ہے جن کا انحصار جُرم کی نوعیت اور قاضی کی صوابدید پہ ہے اور سچ پوچھیں تو جیل و قید بھی تعزیر کا ہی ایک حصہ ہے۔ عربی ذخیرہ میں اس ضمن میں جو الفاظ آئے ہیں[۱۴۹] مختلف حوالہ سے وہ یہ ہیں۔

الحبس[۱۵۰] (من باب ضرب یضرب، قید کرنا، عن الشئ روکنا ــــــ الشئ پورے طریقے سے حفاظت کرنا ــــــ الشئ بالشئ ڈھانپنا یا احاطہ کرنا ــــــ المال علی کذا وقف کرنا)

السجن[۱۵۱] (قید خانہ، محبس ــــــ جمع سجون)

النفی[۱۵۲] (نکال دینا، دھکی، دھتکارا ہوا، بارش کا چھینٹا، دور کر دینا، ہنکا کر نکال دینا،

ہوا کا خاک اڑانا، دور ہونا، بکھو ہونا) ـــــــ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس سے قید بھی مراد لیتے ہیں[۵۳]

اسارت[۵۴] (قید ـــــ اسم اسیرج اساری، اُسریٰ)

فی الرقاب[۵۵] (گردن۔ جان، غلام ـــــ غلاموں اور قیدیوں میں بھی مستعمل ہے)

حصن[۵۶] (مضبوط مگر میں محفوظ کرنا).

امساک[۵۷] (روک رکھنا ـــــ فیہ تفصیل)

حدیث میں لفظ "سجن" آیا ہے اور اس میں دنیا کو مومن کے لیے جیل و قید خانہ کہا گیا ہے ارشاد ہے

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ[۵۸]

ہم نے عرض کیا کہ جرائم میں بعض تو وہ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے سزائیں تجویز کیں انہیں حدود اللہ کہا جاتا ہے ان کی سزائیں متعین ہیں اور بعض گناہ ایسے ہیں جن کے لیے تعزیرات ہیں۔

ماوردی فرماتے ہیں:

تعزیر ان گناہوں کی تادیب کو کہتے ہیں جن میں شرعاً حدود مقرر نہیں کیے گئے ہیں اس کا حکم گناہ اور مرتکب گناہ کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے۔ اس حد تک کو تعزیر اور حدود میں اتفاق ہے کہ دونوں کا مقصد اصلاح و تادیب ہے لیکن تین اعتبار سے آپس میں مختلف ہیں، ایک تو یہ کہ حدود کا معاملہ معین ہے لیکن یہاں تعزیرات میں فرق مراتب کا لحاظ ضروری ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ حد میں معافی و سفارش کی گنجائش نہیں تعزیرات میں ہے۔

تیسرا یہ کہ متوجب حدود میں جو نقصان ہوتا ہے وہ ساقط ہوتا ہے اور متوجب تعزیر میں جو نقصان ہوتا ہے اس کا ازالہ کیا جاتا ہے۔

ایک فرق یہ بھی لکھا گیا ہے کہ حد بدن پر متفرق طریق سے تقسیم کر کے لگائی جائے جب کہ تعزیری ضرب میں دونوں طرح جائز ہے: جمہور شوافع متفرق مار کہتے ہیں۔ تعزیر میں سُولی

تک جائز ہے ، منہ کالا کرنے میں اختلاف ہے اکثر اسے جائز کہتے ہیں [۵۹]

جہاں تک سزا اور تعزیر کا تعلق ہے وہ نئی بات نہیں ۔ یہ قصہ قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے اور اب تک ہر اس معاشرہ میں بھی اس کا رواج ہے جو اپنے آپ کو کتنا ہی مہذب کہتا ہے کیونکہ مجرم کو سزا بجائے خود تہذیب کی حفاظت ہے ۔

سزا کے تصور میں تین عناصر ہیں ۔

پہلا یہ کہ مجرم کا کردار خلاف معاشرہ ہونے کے سبب معاشرتی سکون کی بربادی کا باعث ہوتا ہے

دوسرا یہ کہ سزا دیتے وقت شعور و علم ہونا ضروری ہے ۔ مجرم کو لاشعوری اور لاعلمی میں سزا درست نہیں ۔

تیسرا یہ کہ سزا محض اصلاح اور سدھار کے لیے نہیں ہوتی (گو اصل یہی ہے) بلکہ کبھی کبھار قانون کی سربلندی بھی پیش نظر ہوتی ہے [۶۰]

جہاں تک جیل کا تعلق ہے اسے اسلام نے تعزیرات کی ہی ایک قسم قرار دیا ہے اور اسلام اس سلسلہ میں اصلاح و سدھار کا زیادہ داعی ہے [۶۱]

المعلم بطرس البستانی کا موقف بھی ایسا ہی ہے وہ کہتے ہیں ۔

السجن یا الحبس قید خانہ کو کہتے ہیں ، یعنی ایسا مکان جس میں ان لوگوں کو بند کیا جائے جو گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور جرائم پیشہ ہوتے ہیں ایسے گناہ اور جرائم جو (تعزیری طور پر) قید کے مستوجب ہوں کبھی محض تہمت ہوتی ہے اور وہ اس تہمت کی صحت کو قبول نہیں کرتے اور نہ اس کا اقرار کرتے ہیں اور کبھی کبھار جیل و قید بغیر گناہ کے بھی ہوتی ہے ۔ جیسے دینی اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کے لیے [۶۲]

جہاں تک دوسرے مقصد اعلیٰ اقدار کے لیے قید کا تعلق ہے اس کی مثالیں تاریخ میں بہت ہیں ۔ سیدنا یوسف علیہ السلام جن کی قید کا ذکر قرآن عزیز میں ہے بلکہ اس طرح کہ انہوں نے مصر کی خاتون اول اور درباری زنان مصری کے قید و مکر سے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے لیے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا کہ :

" اے رب مجھ کو قید پسند ہے اس بات سے جس کی طرف مجھ کو بلاتی ہیں ، اور اگر تو دفع نہ

کرے گا مجھ سے ان کا فریب تو مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف اور ہو جاؤں گا بے عقل

چنانچہ اس سے متصل ہے۔

پس قبول کر لی اُس کی دعا اس کے رب نے پھر دفع کیا اُس سے اُن کا فریب، البتہ وہی ہے سننے والا خبردار[۶۳]

یوسف علیہ السلام جس شدید امتحان سے گزر رہے تھے اس میں ایک مرحلہ میں انہیں کامیابی ہو چکی تھی اور مصر کی خاتون اول بری طرح ناکام ہو کر اپنے خاوند کو کہہ چکی تھی۔

کہ کچھ سزا نہیں ایسے شخص کی جو چاہے تیرے گھر میں برائی مگر یہی کہ قید میں ڈالا جائے یا عذاب دردناک[۶۴]

اس نام ادعورت نے آپ پر ڈورے ڈالے لیکن آپ رحمت ایزدی سے بچ نکلے اس خاتون کے خاوند نے آپ کو نکلتے اور اس عورت کو تعاقب کرتے دیکھ لیا تو اب "محترمہ" نے خفت مٹانے کی غرض سے الٹا آپ کو موردِ الزام ٹھہرانے کی کوشش کی گو کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اسی گھرانے کے ایک "شاہد" سے گواہی دلوا کر آپ کی پاک دامنی کا ثبوت فراہم کر دیا اور مصری حکمران بھی سمجھ گیا ـــــ لیکن وہ عورت پھر باز نہ آئی اور اب اپنی قماش کی جملہ عورتوں کو اکٹھا کر کے نیا ڈرامہ رچایا اور اپنی حریف عورتوں کے رو برو حاکمانہ غرور کے ساتھ کہا

اور بے شک اگر نہ کرے گا جو میں اس کو کہتی ہوں تو قید میں پڑے گا اور ہوگا بے عزت[۶۵]

سیدنا یوسف علیہ السلام نے یہی سمجھا کہ اس نالائق عورت کی فتنہ سامانیوں کے بعد جیل جانے سے بہتر یہ ہے کہ خود ہی اس کو مانگ لیا جائے۔ چنانچہ جیل چلے گئے اور وہاں بھی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا وہاں شاہی مصاحب ان کے رفیق رہے ان میں سے ایک رہا ہوا۔ بادشاہ کے ایک پریشان کن خواب پر اسی نے نشاندہی کی اور آپ نے نہ صرف جیل سے تعبیر بتائی بلکہ عورتوں کے مکر کا بھانڈا بیچ چوراہے کے لوٹا اور آپ عزت و وقار سے باہر آ کر وزیر خوراک ہی نہیں عملاً حکومتِ مصر کے کرتا دھرتا بن گئے[۶۶]

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کو بھی ایک طرح کی جیل اور قید سے دوچار ہونا پڑا ـــــ سیرت میں شعب بنو ہاشم کا باب بڑا اہم ہے جب مکہ کے رؤسا اور اہلِ اقتدار نے نبوی میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان و رفقاء کی محصوری و قید کا سامان کیا

اور ایک معاہدہ مرتب ہوا جسے تمام قبائلِ عرب نے تسلیم کیا اسے منصور بن عکرمہ نے لکھا ــــ اس شعب کو "شعب ابی طالب" کہنا محض مغالطہ ہے۔ حقیقت میں یہ ایک پہاڑی درہ تھا اور خاندانِ بنو ہاشم کی ملکیت ہونے کے سبب محتاط سیرت نگاروں کے نزدیک "شعب بنو ہاشم" کے نام سے مشہور ہے ــــ معاہدہ یہ تھا۔

کوئی شخص بنو ہاشم سے نہ قرابت کرے گا نہ خرید و فروخت، نہ اس سے ملے گا نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان لے جائے گا تا وقت یہ لوگ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو قتل کے لیے حوالہ نہ کر دیں۔

یہ سلسلہ کم و بیش تین برس رہا پھر وہ معاہدہ دیمک چاٹ گئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے رفقاء کا یہ دورِ ابتلاء ختم ہوا۔ اہل کفر نے ہجرت کے ایام میں بھی آپ کے لیے ایک پلاننگ کی جس میں آپ کے قتل۔ قید یا جلا وطنی میں سے کوئی ایک کام پیش نظر تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیروں سے آپ کو بچا کر مدینہ منورہ پہنچا دیا۔ آپ نہایت آرام سے کاشانہ نبوت سے چل کر کاشانہ صدیقی پر تشریف لے گئے اور معتمد ترین عزیز سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو لے کر غارِ ثور میں قیام فرمانے کے بعد مدینے تشریف لے گئے۔ اہل کفر کی اس تدبیر اور جواباً الٰہی تدبیر کا قرآن میں ذکر ہے[۹]

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد آپ کی امت کے جلیل المرتبت لوگ ایسے ہر مختلف حالات میں زندان سے بڑھ کر سوئے دار تک گئے ؂

مقام فیض راہ میں کوئی جچا ہی نہیں
جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

حضرت الامام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، حضرت الامام ابن تیمیہ۔ حضرت الامام مجدد الف ثانی، بہادر شاہ ظفر، فقیہ عصر مولانا رشید احمد گنگوہی، شیخ العالم مولانا محمود حسین (شیخ الہند) شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد مدنی، علی برادران، مولانا مفتی کفایت اللہ، امیر شریعت السید عطاء اللہ بخاری، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا فضل حسین خیر آبادی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، خواجہ قمر الدین سیالوی اور وطن کے ہزاروں دل و شیدا ایسے ہیں جنہیں اس دورِ ابتلاء سے گزرنا پڑا

واقعہ یہ ہے کہ پہلی صدی سے لے کر دورِ حاضر تک اس قسم کے مراحل بار ہا آئے جب کہ راہِ حق کے

کے مسافروں کو اس منزل سے گزرنا پڑا لیکن انہوں نے ہنسی خوشی اس وار کو برداشت کیا کہ بلاشبہ یہ سنت محمدی و یوسفی ہے۔

ایک اور انداز سے دیکھیں تو "سزا" دی جاتی ہے جرم پر ــــ اور ظاہر ہے کہ راہِ حق کے مسافر بھی "مجرم" ہوتے ہیں ــــ کس کے؟

طاغوت کے، استبداد کے، ظلم کے اور طغیان کے۔

قرآنِ عزیز نے ایک ہر قسم کے "کافروں" کا ذکر نہیں کیا جیسا کہ عام لوگ خیال کرتے ہیں بلکہ وہ اپنی توحید اور اپنے منتخب بندوں کی رسالت اور معاد کے کافروں اور منکروں کے ساتھ ساتھ ایک اور قسم کے "کافروں" کا بھی ذکر کرتا ہے ــــ ارشاد ہے۔

دین کے بارے میں کسی طرح کا جبر نہیں (کیونکہ وہ دل کے اعتقاد سے تعلق رکھتا ہے اور جبر و تشدد سے اعتقاد پیدا نہیں کیا جا سکتا) بلاشبہ ہدایت کی راہ گمراہی سے الگ اور نمایاں ہو گئی ہے (اور اب دونوں راہیں لوگوں کے سامنے ہیں جسے چاہیں اختیار کریں۔ پھر جو کوئی بھی طاغوت سے انکار کرے (یعنی سرکشی و فساد کی قوتوں سے بیزار ہو جائے اور اللہ پر ایمان لائے تو بلاشبہ اس نے (فلاح و سعادت کی) مضبوط ٹہنی پکڑلی، یہ ٹہنی ٹوٹنے والی نہیں (جس کے ہاتھ آگئی وہ گرنے سے محفوظ ہو گیا) اور (یاد رکھو) اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے[۱۹]

گویا جس طرح اہل سعادت، اہل شقاوت کی شقاوت سے معاشرہ کو بچانے کی غرض سے اور خود ان کی اصلاح کی غرض سے انہیں تعزیر و سزا دیتے ہیں جس کا ایک حصہ جیل بھی ہے اسی طرح جبر و استبدادی معاشرہ اور استحصالی عناصر اعلیٰ اخلاقی اقدار کے مالک افراد سے خار کھا کر انہیں پائمال کرنے کی کوشش کرتا ہے جس کی سب سے پہلی مثال سیدنا یوسف علیہ السلام ہیں، اور یہ سلسلہ تاریخ میں عام ہے رہ گیا۔ عدل و قسط کے علمبردار معاشرہ کا رویہ کہ وہ کس طرح اہل شقاوت کی نامرادیوں سے معاشرہ کو بچاتے ہیں اور قیام عدل کی جد و جہد کرتے ہیں اور اصلاح و احوال کی غرض سے بسا اوقات جیل و قید کے ہتھیار سے کام لیتے ہیں تو اس کی داستان قرآن اور تورات دونوں ہی سے مصر کے اس جیل خانہ تک پہنچتی ہے جس میں سیدنا یوسف بھی ناکردہ گناہ کے سبب قید رہے۔

ڈاکٹر عبد المجید اولکھ اپنی کتاب میں اسی طرف گئے ہیں کہ

"تین ہزار نو سو پچاس برس قبل مصر میں سب سے پہلے قید خانے کا ثبوت ملتا ہے اور یہ وہی زندان مصر ہے جس کے ایک قیدی یوسف صدیق علیہ السلام تھے"[۱۱]

بستانی کہتے ہیں :

اول ذکر ورد عنها فی التوراۃ انما هو سجن یوسف فی سفر التکوین[۱۲]

بستانی نے اپنے مفصل مقالہ میں، فرید وجدی نے اپنے بقامت کہتر بقیمت بہتر مقالہ میں' بڑھتا ہے ذوق جرم اور جرمیات کے مؤلفین نے اپنی لائق قدر کتابوں میں قدیم وجدید دور کی سزاؤں اور جیلوں وغیرہ کا خاصی تفصیل سے ذکر کیا ہے ــــ یعنی رومن سلطنت سے لے کر موجودہ عہد تک ـ بڑی وضاحت اور تفصیل سے خاکہ کشی کی ہے[۱۳]

فرید وجدی کہتے ہیں :

زمانہ قدیم میں جیل خانے ایسے خوفناک اور گھناؤنے ہوتے جن کا عقل تصور کرتی ہے ۔ (یعنی انتہائی درجہ میں وحشت ناک) وہ یا تو زیر زمین غاروں کی شکل میں ہوتے یا مضبوط ترین قلعوں کی شکل میں اور یا انتہائی خوفناک اور دہشت ناک مکانات کے انداز میں ۔ اور پھر مجرموں کو ان کی عمر، حیثیت اور جرم کی تمیز کے بغیر ان میں ڈال دیا جاتا ۔

اس کے بعد انہوں نے مختلف علاقوں کے قید خانوں کا سرسری ذکر کیا ہے اور بالخصوص اپنے وطن مصر کا اور اس میں زمانہ حال میں جو اصلاحات ہوئیں انہیں سپرد قلم کیا ــــ کہتے ہیں کہ بچوں، عورتوں اور مردوں کے الگ الگ جیل خانے، ان کی تہذیب و تادیب کا اہتمام اور انہیں صانع اور کاریگر اور دوسرے انداز سے مفید شہری بنانے کے اہتمام پر گفتگو کی ہے ۔

بڑھتا ہے ذوق جرم میں بھی پہاڑ کی غاروں، صحن دار پھاٹک وال عمارتوں، قلعوں کا ذکر کیا ہے ۔ جنہیں مختلف ادوار میں بطور جیل استعمال کیا گیا ۔ مسٹر جان ہاورڈ جنہوں نے اٹھارہویں صدی کے بعد جیل خانوں کی اصلاح پر بہت سی تجاویز مرتب کیں اور کمپنی کی حکومت کو پیش کیں ۔ ان کے حوالہ سے اس دور کے جیل خانوں کا نقشہ یہ ہے ۔ [۱۴]

قید خانہ ایک ایسی تنگ و تاریک کوٹھڑی ہوتا تھا جس میں آدمیوں کی بھرمار گندگی اور بدبو کے ساتھ ہوا کا نام ونشان نہ ہوتا تھا ۔ قیدیوں کی غذا کا انحصار جیلر کی مرضی پر ہوتا تھا ۔ پانی

انتہائی قلیل مقدار میں دیا جاتا۔ گھاس پھونس کا بستر ہوتا۔ پاؤں میں بیڑیاں اور قیدی جیلر کے غیظ و غضب کا برابر شکار رہتے۔

مس فرائی نے ۱۸۱۷ء میں ایسے ہی حالات دیکھے اور انہوں نے اس پر احتجاج کر کے اصلاح کے لیے تدابیر حکومت کو پیش کیں۔ یہ کمپنی کے دور کی باتیں ہیں جب یورپ صنعتی و سائنسی انقلاب کے بلند بانگ دعوے کر رہا تھا لیکن انسانیت اور اخلاقی اقدار سے یکسر محروم وہ اپنے مقبوضات میں، لوگوں کی آزادی سلب کرنے کے بعد انہیں بری طرح ظلم و ستم کا شکار بنائے ہوئے تھا اور جیل گویا ظلم و ستم کی آماجگاہ تھی۔

ایک پولیس افسر جنہیں قدرت نے آزادی کا ہیرو بنایا اور مجلس خلافت سے لے کر مجلس احرار اسلام تک انہوں نے قابل قدر خدمات انجام دیں یعنی چودھری افضل حق مرحوم ـــــ انہوں نے اپنے مشاہدات کی بناء پر جیل کو دنیا میں دوزخ سے تعبیر کیا۔ ان کے مشاہدات پر مبنی نہایت قیمتی رسالہ "دنیا میں دوزخ یعنی جیل خانہ" کے نام سے ہندوستانی سٹیم پریس لاہور میں چھپا ـــــ ہمارے سامنے موجود ہے۔ یہ بیسویں صدی کے تیسرے دہے کی تحریر ہے، جسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اندازہ ہوتا ہے کہ تہذیب و شرافت کے مدعی یورپین کس طرح وحشت و بربریت کا مظاہرہ کرتے ـــــ ساتھ ہی آپ مولانا فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی اور مولانا محمود حسن دیو بندی کے حالات جبس عبور دریائے شور اور مالٹا کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں تو انسانی شرافت و تہذیب سر پیٹتی نظر آئے گی اور معلوم ہو جائے گا کہ دانشوران فرنگ کتنے بے درد اور کم سواد تھے۔

اس کے برعکس اسلام جو دین فطرت اور نظام عدل و احسان ہے۔ وہ بعض سنگین معاشرتی جرائم پر سنگین سزاؤں کا اعلان تو کرتا ہے لیکن ان کے ثبوت کے لیے شرائط اتنی کڑی ہیں کہ انہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی "شان ستاری" کا بھرپور مظاہرہ سامنے آتا ہے ـــــ ایک شخص قاتل ہے اس کے لیے گنجائش ہے کہ وہ مقتول کے ورثاء کو دیت (مالی معاوضہ) سے راضی کر لے یا بالکلیہ معافی حاصل کر لے قانون اس میں مطلق مزاحم نہیں ہوتا الا یہ کہ قاتل با اثر ہو تو میرے ذاتی نقطہ نظر سے اس کے معاملہ میں نرمی اجتماعیت کے حوالہ سے مضرت رساں ہوگی۔

ایک شخص زنا کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کا ذاتی اعتراف جیسے حضرت ماعز اسلمی رض یا حضرت غامدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا معاملہ ہے، ہو تو الگ بات ہے۔ ورنہ شرائط ثبوت اس قدر سخت ہیں کہ باید و شاید

یہی حال باقی حدود کا ہے۔

اسلام اس بات کی مطلق اجازت نہیں دیتا کہ آپ محض مفروضوں کی بنا پر یا شہادت اور شکوک کی بنا پر کسی کو سزا دی جائے۔

ہمارے دور کا المیہ یہ ہے کہ یہاں ہر اس شخص کو باغی اور مجرم سمجھ لیا جاتا ہے جو ہیئت حاکمہ کی بے اعتدالیوں کی اصلاح کے لیے کوشاں ہو۔ اسے اٹھا کر نظر بند کر دینا، یا اس کے گھر ہی کو جیل قرار دے کر اس کے اعزہ تک کو پریشان کرنا شدید اور صریح ظلم ہے۔

اسلام کڑی شرائط ثبوت کے بعد سزا کی اجازت دیتا ہے اور اس کا انحصار دیانت دار عدلیہ پر ہے جو دیانت کے ساتھ ساتھ معاملہ فہم بھی ہو۔ اور حکمت و سیاست کے اصول سامنے رکھ کر اقدام کرے۔

جہاں تک حضور اکرم، خاتم النبیین والمعصومین محمد عربی صلوات اللہ علیہ وسلام کی حیات مبارکہ کا تعلق ہے اس میں سوشل بائیکاٹ، قید اور دوسری تادیبی سزائیں نظر آتی ہیں باقاعدہ جیل خانہ نہیں۔

ہماری تحقیق کے مطابق سب سے پہلے ۲ھ کے ان بدری قیدیوں کا قصہ سامنے آتا ہے جو ستر کی تعداد میں تھے۔ مکہ معظمہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؐ کے رفقاء کا قلع قمع کرنے آئے۔ ۱۳ سال مکہ معظمہ میں آپ کو پریشان کیا۔ پھر مدینہ منورہ میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا حتیٰ کہ اجتماعی سرمایہ کاری کر کے جنگی مہم کا آغاز کیا۔ ایسے لوگوں کے ساتھ جو بھی سلوک ہوتا وہ بجا تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔

ان اسیران جنگ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی چچا حضرت عباس، بڑے داماد ابو العاص، حضور کی اہلیہ محترمہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قریبی عزیز سہیل بن عمر بھی تھے۔ آپؐ نے سب کے ساتھ یکساں سلوک کیا۔

ایک نہایت زبان آور، فصیح اللسان شخص سہیل بن عمر تھا جو عام مجامع میں آپ کی ہجو کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے نچلے دو دانت اکھڑوا دینے کی تجویز کی لیکن حضور علیہ السلام نے فرمایا:

"اگر میں نے اس کے اعضا بگاڑے تو اللہ تعالیٰ اس کی جزا میں میرے اعضا بگاڑ دے گا۔"[۱۳]

ان قیدیوں کو صحابہ میں تقسیم کر دیا گیا تاکہ وہ انہیں اپنی نگرانی میں رکھیں ـــــ بس یہی قید و جیل تھی صحابہ نے ان لوگوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا اندازہ، حضور اقدس کے پہلے علمبردار اور محبوب صحابی حضرت

مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی ابو عزیز بن کے بیان سے ہو سکتا ہے جو ان قیدیوں میں شامل تھے وہ کہتے ہیں :

کہ جس انصاری صحابی کے یہاں میں قید تھا وہ مجھے تو کھانا کھلاتے خود کھجوروں پر قناعت کرتے اور اس کا سبب یہ تھا کہ انہیں حضور اقدس ﷺ نے ہمارے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی تھی۔

ان قیدیوں میں صاحب ثروت لوگوں کو فدیے کر معاف کر دیا گیا۔ غرباء سے انصاری بچوں کی تعلیم کا کام لیا گیا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل المرتبت صحابی نے اسی طرح تعلیم حاصل کی۔

ادھر اسی دور میں مکہ معظمہ میں بعض مسلمان بھی قید کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے جیسے حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کا معاملہ ہمارے سامنے ہے۔

اسی طرح بعض دوسرے مواقع پر بعض لوگوں کو آپ نے مسجد نبوی میں بطور قیدی رکھا۔ ڈاکٹر عبدالمجید اولکھ اس کا اظہار کرتے ہوئے ساتھ ہی ابتدائی ادوار میں جیلوں کے سلسلہ میں راقم ہیں :

"اسلام لوگوں کو قیدی بنانے کو مستحسن نہیں سمجھتا مگر اسے ایک ناگزیر برائی کے طور پر قبول کرتا ہے۔ ایک اسلامی ریاست مشتبہ یا زیر سماعت ملزموں کو رکھنے کے لیے قید خانے بنا سکتی۔۔۔ .... پاکستان کی فیڈرل شریعت کورٹ اور اسلامی نظریاتی کونسل نے قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے قید خانے کی ضرورت کو بغرض اصلاح تسلیم کیا ہے تاکہ وہ لوگ دوبارہ معاشرہ میں جذب ہو سکیں اور اچھے شہری بن سکیں۔

احادیث کے مطابق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کو قید خانے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس کی حیثیت کو مجرموں کو دوبارہ صحت مند شہری بنانے کی غرض سے ایک نفسیاتی علاج کی سی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ معظمہ میں پہلا باقاعدہ جیل خانہ بنایا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زیر انتظام علاقوں میں عارضی جیل خانے بنائے جنہیں حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان سلام اللہ تعالیٰ علیہما و رضوانہ نے مستقل حیثیت دے دی۔

روایات کے مطابق حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہما اللہ تعالیٰ نے ان کی مزید اصلاح و ترقی کا نظم کیا۔ اور پھر عباسی دور کے قاضی القضاۃ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر

استاد اور فقہ اسلامی کی تدوین و ترتیب میں قائدانہ رول ادا کرنے والے بزرگ حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کے طے کردہ اصولوں کے مطابق ان قید خانوں کو از سر نو درست بنیادوں پر استوار کیا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حلقے کے فقہاء نے "باب الحبس" کے عنوان سے قید خانوں کے انتظامات کے سلسلہ میں عملی کام کا آغاز کیا اور دوسرے فقہاء نے بھی اپنی کتابوں میں حدود و تعزیرات کے ساتھ ساتھ "باب الحبس" شامل کیا۔[۳۶]

قرآن عزیز میں جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اس ضمن میں کئی اشارے ہیں جن میں السجن کا لفظ سورۂ یوسف میں تین مقامات پر آیا ہے۔ چند مقامات پر اسی سورت میں بشکل فعل یہ لفظ آیا ہے۔

"النفی" کا ذکر سورۂ مائدہ میں آیا ہے ارشاد ہے:

بلاشبہ ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور ملک میں خرابی پھیلانے کے لیے دوڑتے پھرتے ہیں (یعنی راہ زن اور ڈاکو ہیں) یہی سزا ہے کہ قتل کر دیے جائیں۔ یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جہتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے (یعنی جیسی سزا ان کے لیے ضروری ہو انہیں دی جائے) یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کیلئے عذاب عظیم ہے۔[۳۷]

گویا یہ سزا ان ڈاکوؤں اور سنگین قسم کے مجرموں کے لیے ہے جو معاشرے کا امن درہم برہم کریں لیکن بقول مولانا ابوالکلام آزادؒ ساتھ ہی قابو آنے سے پہلے توبہ کرنے والوں سے عدم تعرض کا ذکر کر دیا کیونکہ جہاں بھی قرآن میں بامر مجبوری سنگین سزاؤں کا ذکر ہے۔ وہاں ساتھ ہی تقویٰ، عفو و درگزر اور عدل و انصاف کی تعلیم ہے تاکہ سختی میں اگر کوئی ظلم نہ کر بیٹھے، اور بالکل یہاں بھی یہی انداز ہے۔

اس آیت میں او ینفوا من الارض کا ذکر ہے جس کا ترجمہ جلاوطنی ہے۔ جب کہ بعض ذمہ دار مفسرین و فقہاء تعزیراً اس سے حبس و قید بھی مراد لیتے ہیں۔ اسیر (من الاسارت) ایک جگہ سورۂ دہر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اہل خیر کی خوبی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وہ لوگ باوجود کھانے کی رغبت اور احتیاج کے مسکین کو اور یتیم کو اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے

ہیں کہتے ہیں ہم تو تم کو محض اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کی غرض سے کھانا کھلاتے ہیں ہم تم سے
کسی بدلے اور شکریہ کے خواہشمند نہیں ہیں، ہم اپنے پروردگار سے اُس دن کا خوف
کرتے ہیں جو دن نہایت ترش رو اور نہایت سخت ہوگا۔[۴۵]

ایک لفظ "فی الرقاب" آیا ہے۔ رقاب اصل میں رقبہ (گردن) کی جمع ہے آیت البر (البقرہ ۱۷۷) آیت مدات زکوٰۃ (التوبہ ۶۰) میں تو یہ لفظ "فی" حرف جار کے ساتھ آیا ہے اور سورۃ قتال ( ) آیت ۴ میں سنگین قسم کے جنگی دشمنوں کے لیے اس حوالہ سے آیا ہے کہ

پھر جب کفار سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو الخ

پہلے دو مقام ایسے ہیں کہ وہاں مالی ذمہ داریوں کے ضمن میں اس لفظ کو خاص طریق سے استعمال کیا گیا ہے — یعنی آیت البر ہے تو اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

نیکی اور بھلائی (کی راہ) یہ نہیں ہے کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنا منہ پورب کی طرف پھیر لیا یا پچھم کی طرف کر لیا (یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات رسم ریت کی کر لی) نیکی کی راہ تو ان لوگوں کی راہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر آخرت کے دن پر فرشتوں پر، آسمانی کتابوں پر اور خدا کے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں۔

اور خدا کی محبت کی راہ میں اپنا مال رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیتے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے خرچ کرتے ہیں[۴۶] الخ

التوبہ کی آیت کا ترجمہ ہے۔

یہ صدقات (مفروضہ) تو بس فقیروں اور مسکینوں کا حق ہیں اور اُن کا حق ہیں جو صدقات کے کام پر مامور ہیں اور ان کا حق ہیں جن کی دلجوئی منظور ہے اور نیز یہ کہ غلاموں کی گردنیں چھڑانے میں اور قرض دار کی مدد کرنے میں اور جہاد کی ضرورتوں میں اور مسافروں کی اعانت میں صرف کرنے کے لیے ہیں[۴۷]

اور ان آیات میں "فی الرقاب" کا ترجمہ عام طور پر گردنیں چھڑانا یعنی غلاموں کی آزادی اور مکاتب کی مدد کیا جاتا ہے لیکن اس میں قیدیوں کی آزادی بھی شامل ہے۔ مولانا احمد سعید فرماتے ہیں۔

یا قیدیوں کا فدیہ دے کر رہا کرایا جائے[۴۸]

زمخشری بھی آیت اسیر کی اس آیت کے ضمن میں

قیل فی فلک الاسادی ـــــ کہ رقم و سرمایہ قیدیوں کی آزادی میں خرچ کی جائے[۸۳]

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں

وقیل فداء الاساری قال اللہ تعالی و یطعمون الطعام علی حبه مسکینا و یتیما و اسیرا[۸۴]

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں

اس سے اسیرانِ جنگ بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ ان کا فدیہ مسلمان اہل ثروت ادا کریں اور یہ اسلام کی تعلیم کی وسعت ہے جو دشمن قیدیوں تک کے حق میں یہ ذوق رکھتا ہے۔ اپنے قیدیوں کا کیا حال ہوگا؟

ساتھ ہی انہوں نے مقروضوں کے ساتھ ساتھ تعزیری طور پر جرمانہ کے بوجھ تلے رہنے والوں کو بھی اس میں شامل کیا کہ ان کی مدد کی جائے اور ان کا جرمانہ ادا کر کے انہیں قید سے رہائی دلائی جائے[۸۵]

"حصن" (قلعہ) کا ذکر سورۃ حشر میں آیا ہے ـــــ علماء نے کسی نہ کسی حوالہ سے اس کو بھی اس بحث میں شامل کیا ہے کہ قدیم و جدید دور میں قلعوں کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور بعض قلعوں میں تو ایک حصہ باقاعدہ جیل ہوتا ہے۔

"امساک" کا لفظ سورۃ البقرہ، النساء اور الطلاق میں آیا ہے پہلی اور تیسری سورۃ میں تو مطلقہ عورتوں کے لیے ہے کہ جب انہیں طلاق دے دو تو پھر انہیں تنگ مت کرو یا تو احسن طریق سے رجوع کر کے اگر گنجائش ہو رجوع کر کے روک لو یا رخصت کر دو۔ البتہ سورۃ نساء کی آیت قابلِ غور ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تعزیر و سزا کے ضمن میں قید ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بدچلنی کی مرتکب ہوں تو چاہیے کہ اپنے آدمیوں میں سے چار آدمیوں کی اس پر گواہی لو۔ اور اگر چار گواہ گواہی دے دیں تو پھر ایسی عورتوں کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ موت ان کی عمر پوری کر دے۔ یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی دوسری راہ کر دے[۸۶]

چنانچہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے دوسری راہ پیدا کر دی کہ سورۂ نور میں اور نوعیت کی سزا ایسے مجرم مردوں

اور عورتوں کے لیے طے کر دی گئیں۔ تاہم جیل کا تعزیر کے طور پر استعمال یا زیر سماعت مقدمہ میں حبس و جیل اپنی جگہ مسلم حقیقت ہے اور طے شدہ امر۔

اب حدیث کی طرف آئیں تو اس وقت ہمارے سامنے صحاح ستہ کی مشہور کتاب ابو داؤد ہے جو احکام احادیث کے لیے اپنی مثال آپ ہے اس میں "کتاب القضاء" کے ذیل میں ایک باب ہے۔

باب فی الدَّین هل یحبس به

اس میں عنوان الدین کا ہے کہ آیا قرض میں حبس و قید ہے یا نہیں؟ لیکن روایات میں خاصا توسع ہے ملاحظہ فرمائیں

پہلی روایت کے راوی حضرت عمرو بن الشرید عن ربیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں ـــــ اس میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دی کہ ایسا شخص جو ادائے قرض پر قادر ہو کر بھی لیت و لعل سے کام لیتا ہے اس کی عرض (عزت) بھی حلال اور اس کی عقوبت بھی درست!

حضرت عبداللہ بن المبارک الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ جیسے جلیل المرتبت امام حدیث "یحل عرضه" کا معنی کرتے ہیں اس پر سختی کرنا اور عقوبت سے مراد لیتے ہیں اسے قید کرنا)

ہرماس بن حبیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضور اقدس کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو لایا جو میرا مقروض تھا آپ نے اسے قابو رکھنے (بشکل قید) کا حکم دیا اور مجھ سے ایک مرتبہ پوچھا بھی کہ

ما ترید ان تفعل باسیرک

تیسری روایت حضرت بھز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے ہے کہ

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم حبس رجلاً فی تهمة

صاحب لمعات اس پر حاشیہ لکھتے ہیں کہ

کہ آپ نے ایک شخص کو ایک تہمت میں قید کر دیا کیونکہ ایک صاحب نے اس کے سلسلہ میں کسی گناہ یا خاص تعرض کا دعویٰ کیا تھا قید کا مقصد تھا کہ دعویٰ کی سچائی معلوم ہو سکے۔ اور دعویٰ غلط ہو تو آزاد کر دیا جائے ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ مدعا علیہ کو شہادتوں کے قیام سے قبل اور فیصلہ پر پہنچنے تک قید کرنا درست ہے (مقدمہ کی سماعت کے دوران)[۳]

مولانا صدیق احمد نجیب آبادی اپنے مشائخ مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا سید محمد انور شاہؒ، مولانا خلیل احمد مہاجر مدنیؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانی کی املائی تقریروں میں لکھتے ہیں (جو مولانا نجیب آبادی نے مرتب کیں)

الحبس مشروع لقوله تعالیٰ اوینفوا من الارض ۵۸

اور پھر عبداللہ بن المبارک، امام خطابی صاحب معالم السنن، صاحب فتح القدیر اور صاحب الہدایہ کو تائید میں پیش کیا (حوالہ بالا) جب کہ ابوداؤد تہذیب ابن قیم الجوزیہ میں ہے

امام ابوداؤد کی نقل کردہ پہلی حدیث میں ہے کہ امام خطابی کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ جو قرض ادا نہیں کرسکتا اسے قید نہیں کیا جاسکتا کیونکہ قید جب درست ہوگی جب اس کے پاس ادائیگی کی مقدرت ہو چونکہ ایسا نہیں اس لیے قید نہیں۔

جب کہ وہ قاضی شریح کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ دونوں قسم کے لوگ قید کیے جائیں گے اور یہی حضرات احناف کا مسلک ہے جبکہ امام مالکؒ اسے مہلت دینے کی رائے ارشاد فرماتے ہیں اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس کا ظاہری حال پتلا ہے تو اسے قید نہ کیا جائے۔ اور جس کا ظاہری حال اچھا ہے اسے قید کیا جائے کیونکہ وہ ادائے حق میں لیت ولعل سے کام لیتا ہے الخ

دوسری حدیث پر امام خطابی کی رائے ہے کہ حبس دو قسم پر ہے ایک برائے عقوبت، اور ایک برائے استظہار۔ پس عقیدت کے لیے قید لازمی معاملات میں ہوگی اور تہمت محض ہوگی۔ تو استظہار کے لیے ہوگی۔ تاکہ حقائق منکشف ہوجائیں ____ ایک روایت انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل کی کہ آپ نے ایک شخص کو ساعت بھر قید کرکے پھر اسے رہا کردیا۔

اور تیسری حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ اسے امام ابوداؤد کے علاوہ امام ترمذی اور امام نسائی نے بھی تخریج کیا جس میں

حَبَسَ رجلاً فی تھمۃ ____ کے بعد یہ الفاظ ہیں ____ ثُمَّ خَلّٰی عنه

اور امام ترمذی فرماتے ہیں ____ ھذا حدیث حسن ۵۹

فقہ کی مستند کتب میں سے "فتح القدیر" کی حیثیت مسلم ہے ـــــ محقق ابن الھمام فرماتے ہیں

الحبس کتاب اللہ کے حوالہ سے ثابت ہے کیوں کہ او ینفوا من الارض سے یہ بھی مراد ہے

حدیث رسول سے ثابت ہے کہ آپ نے ایک شخص کو تہمت کے سبب قید کیا۔

اور الخصاف فرماتے ہیں کہ اہل حجاز میں سے بعض نے اپنے جھگڑے کے سلسلہ میں حضور اقدس کی طرف رجوع کیا تو آپ نے انہیں قید کر دیا (فریقین کو تاکہ آگ ٹھنڈی ہو جائے) یہ طے ہے کہ باقاعدہ قیدخانہ حضور اقدس صلعم اور سیدنا صدیق رضؓ کے عہد میں نہ تھا بلکہ مسجد نبوی یا حویلیوں کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا تھا

حضرت عمر نے مکہ معظمہ میں چار ہزار درہم کی عمارت خرید کر اسے قیدخانہ بنا دیا.....حضرت علی نے کانوں سے قیدخانہ بنایا تو چوروں نے اسے اکھاڑ پھینکا(؟) تو پتھروں کا قیدخانہ بنایا جس کا نام مخیس (بمعنی تذلیل) رکھا ـــــ آگے صاحب فتح القدیر اپنا فتویٰ نقل کرتے ہیں کہ مقروض (قدرت رکھنے والا) عید، جمعہ، جماعت، حج، جنازہ کسی مقصد کے لیے نہیں جا سکتا۔ الا یہ کہ کسی کو ضامن دے دے، اس طرح اس پر ایک بوجھ رہے گا اور جلد ادائیگی کی سعی کریگا قید کا مقصد چونکہ معاملات کی صفائی اور تہذیب و شرافت کی سربلندی ہے اس لیے محقق ابن ہمام کا فتویٰ یہ بھی ہے کہ

کہ جیل خانہ سخت جگہ ہونی چاہیے، اسے روایتی بستر وغیرہ فراہم نہ کیا جائے اور نہ کوئی اس سے مل سکے[۹۰]

صاحب ہدایہ نے مقروض کفیل اور مہر کی ادائیگی والے کے ساتھ ساتھ اپنی اہلیہ کا نان نفقہ روکنے والے کو بھی قید کا مستحق قرار دیا اور واضح کیا ہے کہ جب کورٹ حالات کا پوری طرح جائزہ لے کر اس کی حیثیت کے مطابق نفقہ طے کر دے اور وہ ادا نہ کرے تو اسے قید کر دیا جائے[۹۱]

الکاسانی قرض کے ضمن میں قید کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ

اما الولد فیحبس بدین الوالد

لڑکے نے باپ سے قرض لیا اور ادا نہیں کرتا تو اسے بھی قید کر دیا جائے[۹۲]

اور طے کیا ہے کہ

تبدیلیوں کو صحیح معنوں میں قید رکھا جائے۔ اجتماعات جمعہ، عیدین، جنازہ، دعوت وغیرہ میں بالکل نہ جانے دیا جائے تاکہ اس طرح دل تنگ ہو کر اپنی اصلاح جلد کرے۔ البتہ قریبی اعزہ کو جیل میں ہی ملنے دیا جائے اور شرعی تصرفات اگر کرنا چاہے تو ان میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے جیسے ہبہ، صدقہ وغیرہ[۹۲]

صاحب مغنی حضرت الامام احمد بن حنبلؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

اگر مدعی، مدعا علیہ کو قید کرنے کی درخواست کرے تا آں کہ شہادت کا مرحلہ طے ہو تو ہر حال میں قاضی اس بات کو تسلیم نہ کرے۔ ہاں اگر گواہ قریب ہی ہیں اور جلد سے جلد مدعی انہیں پیش کر کے معاملہ کو نمٹاتا ہے تو حرج نہیں ورنہ خواہ مخواہ معاملات کو طوالت دینے کی غرض سے لوگوں کو جیل میں نظر بند رکھنا صحیح نہیں[۹۳]

الشیخ المرداوی بھی اس ضمن میں گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ گواہوں کے ضمن میں قید درست ہے لیکن اس میں صحیح مذہب یہ ہے کہ اس کی مدت محض تین دن ہو نیادہ نہیں (کہ اس سے زیادہ ظلم و زیادتی ہے اتنے عرصہ میں معاملات کو نمٹانا آسان ہے)[۹۴]

سابقہ تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ

جزا و سزا کا سلسلہ قیام عدل و قسط کی غرض سے لازم اور ضروری ہے ورنہ دنیا میں ایسا فساد پھیلے کہ الامان۔ جزا و سزا کے حتمی اور یقینی فیصلے تو قیامت "مالک یوم الدین" کی عدالت میں ہوں گے، تاہم اللہ تعالیٰ نے چونکہ اس دنیا کو بھی ایک مدت متعینہ تک باقی اور قائم رکھنا ہے اور یہاں کا نظم و انتظام اس نے حضرت انسان کے سپرد کر رکھا ہے اس لیے قیام عدل کی غرض سے انسان بھی اس کا پابند ہے کہ وہ شریف لوگوں کے ساتھ حسن سلوک، مروت، نیکی اور بھلائی کا اس طرح مظاہرہ کرے کہ ان کے شریفانہ رویہ کو سراہے اور انہیں امن و اطمینان کی فضا فراہم کرے۔ جب کہ غلط روی کا رویہ اختیار کرنے والے لوگوں سے مناسب حدود میں سختی لازم ہے کہ اس میں نہ صرف ان کی بھلائی ہے بلکہ پوری نسل انسانی کا بھلا ہے — یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض سزاؤں کے ساتھ اس قسم کے اشارات کیے مثلاً سورۃ بقرہ قصاص کی سزا

میں جہاں بڑے چھوٹے کی تمیز کے بغیر مساوات کو لازمی قرار دیا وہاں یہ بھی ارشاد فرمایا:

اے ارباب دانش! قصاص کے حکم میں (اگرچہ بظاہر ایک جان کی ہلاکت کے بعد دوسری جان کی ہلاکت گوارا کر لی گئی ہے لیکن فی الحقیقت یہ ہلاکت نہیں ہے) تمہارے لیے زندگی ہے اور یہ سب کچھ اس لیے ہے تاکہ تم برائیوں سے بچو۔[۹۵]

فی الحقیقت سزا و جزا کا فلسفہ معاشرہ کی اصلاح اور اس کو فساد سے بچانا ہے تاکہ امن و اطمینان سے عام لوگ زندگی گزار سکیں۔ چنانچہ اسی غرض سے بعض سنگین نوعیت کے جرائم ڈاکہ، رہزنی، چوری، بدکاری، شریف عورتوں پر تہمت اور شراب نوشی کے ضمن میں سزاؤں کا تعین خود قرآن و سنت سے ہو گیا۔ باقی جرائم اور گناہوں کے معاملہ میں "قضا" کا ایک باقاعدہ نظم وضع کر دیا جس کے حوالہ سے سب سے پہلے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ذمہ داریاں سنبھالیں اور سلطنت کے دوسرے خطوں میں نہایت درجہ علم و دانش کے مالک، فقیہ النفس، متدین اور مخلص لوگوں کو قاضی بنا کر بھیجا۔ جنہوں نے معاشرہ میں عدل و انصاف کی اعلیٰ روایات قائم کیں اور حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بھی مسلم معاشرہ نے اس اعلیٰ روایت کو قائم رکھنے کی مقدور بھر کوشش کی۔ تعزیری نظام کے سلسلے میں خود حضور اقدس نے جیل و حبس کی بھی طرح ڈالی۔ اور پھر آپ کے فیض یافتہ لوگوں (حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان) نے ایک باقاعدہ ادارہ کا رنگ دیا۔ پہلے گزرا کہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے البلد الامین (زادھا اللہ تشریفاً) میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خرید کر اسے جیل خانہ بنایا۔ (مولانا شبلی فرماتے ہیں (حضرت عمر کی اصلاحات کے ضمن میں)

ایجاد زندان یعنی بندی خانہ ـــــ درین صیغہ ہم حضرت عمر ایجاد ہے نمود یعنی زندانہا تعمیر کرد پیش ازآں در عرب نام و نشانے از زندان (باقاعدہ) ہم نبود، ازین جہت مجرماں را دا باداش جرائم سزائے سخت میدادند، حضرت عمر اول در مکہ معظمہ خانہ صفوان بن امیہ را بچہار ہزار درہم خریدہ زندان ساخت و بعد در اضلاع دیگر ہم زندانہا تعمیر نمود۔

درآں وقت فقط مجرمین را بزندان میفرستادند لاکن بعد از دور خلافت قاضی شریح اشخاص مدیون ہم حبس می شدند

بعد از تعمیر زندان سزائے بعضے از جرائم ہم تغیر پذیر رفت مثلاً ابو محجن ثقفی کہ کرۃ بعد اخری بجرم می نوشی ماخوذ شد، آخر حضرت عمر او را العوض حد حبس فرمود۔[۹۶]

اور ص۹۸ میں مدینہ منورہ اور بصرہ کے زندان خانوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

جس سے صاف واضح ہے کہ زیر تفتیش ملزموں کو جہاں قید میں رکھا جاسکتا ہے وہاں بطور سزا بھی رکھا جاسکتا ہے لیکن بڑی احتیاط رہنی چاہیے۔ وہ طریق جو بد قسمتی سے ہمارا یہاں مروج ہے وہ صحیح نہیں۔

ہمارے امتناعی نظر بندی کے قوانین کسی طرح صحیح نہیں جبکہ حکومتی مخالفین کو لمبا لمبا عرصہ نظر بند رکھا جاتا ہے حالانکہ اگر جرم کسی نے کیا ہے تو عدالت سے معاملہ صاف کر کے اگلا قدم اٹھانا چاہیے۔ دوسرا یہ بھی لازم ہے کہ کسی فرد کے گھر کو سب جیل قرار دے کر اس کے اعزہ کی پریشانی کا سامان نہ کیا جائے۔

تیسرا یہ کہ جیل سب کے لیے یکساں ہونا چاہیے ایسے لوگ جن کی ناک اونچی ہو انہیں جیل میں ہر طرح کی سہولت مہیا کرنا اور بے یار و مددگار لوگوں کے ساتھ جیل میں وحشیانہ سلوک نہایت درجہ سفاکانہ طرز عمل ہے۔ ظلم و زیادتی ہے اس کی اصلاح ازبس لازم ہے۔ عدالتی نظام کو درست کر کے زیر تفتیش ملزموں کے معاملات جلد از جلد نمٹانے ضروری ہیں الامام مرادی کے بقول تین دن میں آج کے حالات میں اگر معاملہ نمٹانا ممکن نہیں تو مناسب سوچ و بچار کے بعد اس کی کم از کم مدت کا تعین لازم ہے۔

پاکستان میں ۱۸۱۸ء کا انگریزی ضابطہ جیل (سٹیٹ پرزن ریگولیشن) نافذ ہے ـــــــ جو ہمارے آزاد معاشرے کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے کہ ہم اب تک یہ بنیادی کام نہیں کر سکے، گو اس میں وقتاً فوقتاً ترامیم کی گئیں لیکن اصل ڈھانچہ کی بنیاد وہی ہے۔ اس ضابطہ میں جو ترامیم ہوئیں ان میں ۱۹۵۰ء کے افسران جیل کی بیرون ملک تربیت کا اہتمام بھی شامل ہے (اور ظاہر ہے کہ جب بابو لوگ یہاں رہ کر غیر بنتے ہیں تو بیرون ملک کی تربیت کے بعد کیا حال ہوگا) ۱۹۶۰ء میں اندرون ملک تربیت کا اہتمام ہوا۔ ۱۹۶۸ء میں جیل ریفارم کمیٹی کی سفارشات برائے مغربی پاکستان سامنے آئیں۔

۱۹۷۲ء میں اصلاح جیل خانہ جات کانفرنس ہوئی۔

۱۹۷۸ء میں تمام صوبوں میں یکساں جیل قوانین نافذ ہوئے۔

۱۹۸۱ء میں اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات آئیں (جو اور درجنوں سفارشات کے ساتھ دبی پڑی ہیں۔

۱۹۸۴ء میں جیل قوانین کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت نے فیصلہ دیا۔

۸۵-۱۹۸۴ء میں ایک اعلیٰ اختیاراتی کابینہ کمیٹی کی سفارشات کے بعض مثبت اثرات کا چرچا ہوا۔

______ وغیرہ ذالک ٩٤

مجلس اقوام جس کے متعلق حضرت مولانا سید حسین احمدؒ مدنی فرماتے کہ یہ مجلس غریب اقوام کے کفن تقسیم کرنے کی غرض سے وجود میں آئی کا جانشین ادارہ اس وقت " اقوام متحدہ " ہے، اس نے ۱۹۵۴ء کے جینوا کنونشن کے بعد ۱۹۵۵ء میں ایک معیاری جیل خانے کی کم از کم خصوصیات پر مبنی ایک ہدایت نامہ جاری کیا جس کا بنیادی اصول یہ تھا کہ

جیل قواعد کا اطلاق تمام قیدیوں پر بلا لحاظ جنس، قوم، نسل، رنگ، عقیدہ، سیاسی وفاداری اور معاشی و معاشرتی حیثیت ہو اور قیدیوں کے مذہبی اعتقادات کا مکمل لحاظ رکھا جائے گا۔ ٩٥

یہ اصول تو بہت اچھا ہے اور گویا اسلام کے نظام عدل کی صحیح ترجمانی ______ لیکن وطن عزیز سمیت ہر جگہ منافقت کا جو دور دورہ ہے اس نے نسل انسانی کی تباہی کا وہ سامان کیا ہے کہ الامان ______ اصل ضرورت خلوص و اخلاص کی ہے۔

حواشی

۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد ـــــ ترجمان القرآن ج ۱ ص ۲
(تفسیر ام القرآن) ساہتیہ ایڈیشن دہلی ۱۹۸۰
۲۔ ایضاً ج ۱ ص ۲۱۰۔ ۲۱۱
۳۔ الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۴۳۔ ۱۴۴
داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ء
۴۔ القرآن ـــــ النور آیت ۲۵
۵۔ القرآن ـــــ الصافات آیت ۵۳
۶۔ المنجد الابجدی ص ۴۵۴ دار المشرق بیروت ۱۹۶۷ء
۷۔ مصباح اللغات ص ۲۵۸ ایچ۔ ایم سعید کمپنی، کراچی
۸۔ تفسیر القرآن الحکیم ج ۱ ص ۹ دار المعارف ـــــ ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۳ء
۹۔ الکشاف ج ۱ ص ۵۷ دار المعرفۃ بیروت
۱۰۔ المظہری ج ۱ ص ۸ حیدرآباد دکن۔
۱۱۔ المنار ج ۱ ص ۵۵ دار المعرفۃ بیروت
۱۲۔ تدبر قرآن ج ۱ ص ۱۳ انجمن خدام القرآن لاہور ۱۹۷۶ء
۱۳۔ بیان القرآن ص ۴ مطبوعہ لاہور ۱۳۸۱ھ
۱۴۔ ابن کثیر ج ۱ ص ۲۵ سہیل اکادمی لاہور ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء
۱۵۔ لغات القرآن ج ۳ ص ۱۸ عمر فاروق اکادمی لاہور
۱۶۔ البقرہ آیت ۴ ـــــ ترجمہ مولانا ابوالکلام ـــــ ترجمان القرآن ج ۲ ص ۵ ـــــ

ساہتیہ ایڈیشن دہلی۔
۱۷۔ ترجمان القرآن ج ۲ ص ۹
۱۸۔ ترجمان القرآن ج ۲ ص ۳۹ ۔ ۴۰
۱۹۔ قرآن مجید ــــــ الزلزال آیت ۷ ۔ ۸
ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسن مطبوعہ لاہور نورانی کتب خانہ
۲۰۔ الکہف : آیت ۴۹ ــــ ترجمہ شیخ الہند
۲۱۔ حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۲۱۲ ۔ ۲۱۳، اردو ایڈیشن قومی کتب خانہ لاہور مارچ ۱۹۵۳ء
۲۲۔ مثلاً الشوریٰ آیت ۳۰، المائدہ ۶۶ وغیرہ
۲۳۔ حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۲۳۴ سے ص ۲۴۰ تک ملاحظہ کریں۔
۲۴۔ ترجمان القرآن ج ا ص ۲۱۱ تا ۲۱۶ ساہتیہ ایڈیشن
۲۵۔ ترجمان القرآن ج ا ص ۲۱۶ تا ۲۲۱ (خلاصہ مفہوم)
۲۶۔ ترجمان القرآن ج ا ص ۲۲۱ تا ۲۲۲
۲۷۔ ترجمان القرآن ج ا ص ۲۲۳
۲۸۔ القرآن ــــ الحج : ۳۸ ۔ ۳۹ ۔ ۴۰
ترجمہ مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ۔
۲۹۔ القرآن ــــ البقرہ ۲۵۱ ــــ مولانا ابوالکلام آزاد
۳۰۔ القرآن ــــ البقرہ ۳۸ ۔ ۳۹ ــــ مولانا ابوالکلام آزاد
۳۱۔ القرآن ــــ الانفال : ۶۰ ــــ مولانا محمود حسن شیخ الہند
۳۲۔ ترجمان القرآن ج ا ص ۲۲۸ تا ۲۳۰
۳۳۔ لغات القرآن ج ۵ ص ۴۷
۳۴ لغات القرآن ج ۵ ص ۳۹ ۔ ۴۰
۳۵ لغات القرآن ج ۲ ص ۲۵۷
۳۶ لغات القرآن ج ا ص ۲۶

۳۷۔ لغات القرآن جلد ۳ ص ۲۴۰ - ۲۴۱

۳۸۔ لغات القرآن ج ۲ ص ۲۹۶

۳۹۔ لغات القرآن ج ۳ ص ۳۵

۴۰۔ لغات القرآن ج ۲ ص ۲۹۴

۴۱۔ لغات القرآن ج ۲ ص ۳۱۲

۴۲۔ لغات القرآن ج ۳ ص ۲۶۵

۴۳۔ لغات القرآن ج ۵ ص ۱۶۴

۴۴۔ لغات القرآن ج ۵ ص ۳۷ - ۳۸

۴۵۔ لغات القرآن ج ۴ ص ۶۸

۴۶۔ ۱۲

۴۷۔ ۱۳ - ۱۲ ″

۴۸۔ حدود کے سلسلے میں مختلف زبانوں میں متعدد کتابیں موجود ہیں۔ نواب صدیق حسن مرحوم کی ظفر اللاضی (عربی) اور مولانا محمد متین ہاشمی کی "اسلامی حدود" ملاحظہ فرمائیں۔

۴۹۔

۵۰۔ مصباح اللغات ص ۱۳۳ ۔ المنجد الابجدی ص ۳۵۲

۵۱۔ لغات القرآن ج ۳ ص ۱۸۵ مصباح اللغات ص ۳۶۳ ، المنجد الابجدی ص ۵۳۹

۵۲۔ لغات القرآن ج ۶ ص ۳۱۴ مصباح اللغات ص ۸۹۸ المنجد الابجدی ص ۱۰۸۳

۵۳

۵۴۔ لغات القرآن ج ۱ ص ۱۰۱ مصباح اللغات ص ۴۷، المنجد الابجدی ۸۴

۵۵۔ لغات القرآن ج ۳ ص ۹۱ مصباح اللغات ص ۳۰۷ المنجد الابجدی ۴۹۴

۵۶۔ مصباح اللغات ج ۲ ص ۱۵۹ منجد ابجدی ص ۳۷۰

۵۷۔ لغات القرآن ج ۱ ص ۲۴۹ المنجد الابجدی ص ۱۴۰

۵۸۔ بحوالہ

۵۹۔ احکام السلطانیہ اردو ایڈیشن ص ۳۱۱۔ ۳۱۴ نفیس اکادمی کراچی دسمبر ۱۹۶۵ء

۶۰۔ جرمیات از ڈاکٹر عبدالقادر ص ۹۰ اُردو اکیڈمی لاہور جون ۱۹۷۹ء

۶۱۔ ایضاً ص ۱۲۵ = ل۔ ح

۶۲۔ دائرۃ المعارف ج ۹ ص ۵۰۸ موسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان۔ تہران ناصر خسرو
دارالمعرفۃ بیروت

۶۳۔ القرآن ـــــ یوسف: ۳۳۔ ۳۴ ترجمہ مولانا محمود حسن دیوبندی

۶۴۔ القرآن ـــــ یوسف: آیت ۲۵ مولانا محمود حسن دیوبندی

۶۵ القرآن ـــــ یوسف: آیت ۵۳ مولانا محمود حسن دیوبندی

اس سلسلے کی جملہ تفصیلات سورۂ یوسف کے رکوع ۳۔۴ میں ملاحظہ فرمائیں جبکہ قصص قرآن پر مخدوم گرامی مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ناظم جمعیتہ العلمائے ہند رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "قصص القرآن" اپنی مثال آپ ہے اور کسی زبان میں اس موضوع پر اس جیسی محققانہ کتاب نہیں

۶۶۔ تفصیل سورۂ یوسف رکوع ۶۔ ۷

۶۷۔ تفصیل سیرت النبی شبلی و سید سلیمان ج ۱ ص ۲۴۵ مطبوعہ اعظم گڑھ طبع ششم

۶۸۔ القرآن ـــــ سورۃ الانفعال آیت ۳۰

۶۹۔ القرآن ـــــ البقرہ آیت ۲۵۶ ترجمہ مولانا ابوالکلام

۷۰۔ ۱۲۶۔ ۱۲۵۔ ل۔ ح

۷۱۔ بستانی ج ۹ ص ۵۰۸

۷۲۔ بستانی ج ۹ ص ۵۰۸ تا ۵۱۵

فرید وجدی ـــــ دائرہ معارف القرآن العشرین ج ۵ ص ۵۰۔ ۵۱ دارالمعرفتہ بیروت (مطبوعہ ۱۹۷۱)

جانباز مرزا۔ بڑھتا ہے ذوق جرم ص ۹ تا ۱۶

جرمیات۔ ساتواں باب (جرم کی سزا)

۷۳۔ سیرت النبی شبلی ج ۱ ص ۳۳۰ بحوالہ تاریخ طبری

۷۴۔ سیرت النبی شبلی ج ۱ ص ۳۳۰ بحوالہ تاریخ طبری
۷۵۔ اس سلسلہ کی تفصیلات سیرت النبی ج ۱ ص ۳۲۹ سے ۳۳۴ تک میں ہیں۔
۷۶۔ سیرت النبی ج ۱ ص ۴۵۶
۷۷۔
۷۸۔ القرآن ــــ المائدہ ۳۳ ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد
۷۹۔ القرآن ــــ الدھر ۸ تا ۱۰ ترجمہ سحبان الہند مولانا احمد سعید الدھلوی رحمہ اللہ تعالی
۸۰۔ البقرہ ــــ ۱۷۷ ترجمہ مولانا ابوالکلام۔
۸۱۔ التوبہ ــــ ۶۰ ترجمہ مولانا احمد سعید الدھلوی
۸۲۔ کشف الرحمن ص ۳۱۲ مطبوعہ دہلی ۱۹۶۷ء
۸۳۔ کشاف ج ۱ ص ۳۳۱
۸۴۔ مظہری ج ۱ ص ۱۷۶
۸۵۔ بیان القرآن ص ۵۹۴
۸۶۔ النساء آیت ۸۶ (مولانا ابوالکلام)
۸۷۔ ابوداؤد ص ۵۱۱ میر محمد کتب خانہ علم و ادب کراچی ۱۳۶۹ھ
۸۸۔ انوار المحمود ج ۲ ص ۳۷۹، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱۴۰۷ھ
۸۹۔ مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری ــــ معالم السنن للخطابی ــــ تہذیب ابن قیم الجوزیہ
ج ۵ ص ۲۳۶، ۲۳۷ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ مطبوعہ ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء
۹۰۔ فتح القدیر ج ۵ ص ۱۷۴۔ مطبوعہ مطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر ۱۳۱۶ھ
۹۱۔ الھدایہ (اخیرین) ص ۱۴۰-۱۴۱ مطبوعہ پشاور
۹۲۔ الکاسانی الحنفی ــــ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۷ ص ۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵
۹۳۔ ابن قدامہ ــــ الحنفی ج ۹ ص ۲۲۵ مکتبۃ الریاض الحدیثہ ریاض
۹۴۔ الشیخ المرداوی الحنبلی ــــ الانصاف ج ۱۱ ص ۲۹۲
دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء

۳۹۵۔ البقرہ ۔ آیت ۱۷۹۔ ـــــــ مولانا ابوالکلام آزاد

۹۶۔ الفاروق فارسی ایڈیشن ج ۲ ص ۸۸۔ ۸۹ (الفاروق کا فارسی ترجمہ غازی محمد نادر شاہ والی افغانستان مرحوم کی ہمشیرہ محترمہ (والدۂ ماجدہ سردار اسداللہ صاحب) نے کیا اور یہ نسخہ بڑی نفاست کے ساتھ لاہور میں ۱۳۵۱ھ میں چھپا)

۹۷۔ ۱۶۱

۹۸۔ ۱۶۲ " "